(غلام گردش)

بس، تھوڑا سا صبر!

عمران خان سے منسوب بڑا مسئلہ یہ ہے کہ لوگ اس سے دیومالائی اُمیدین وابستہ کر لیتے ہیں۔اس رجہان کی تاریخ، کافی حد تک حقیقت پر مبنی ہے۔کرکٹ کی دنیا میں اپنے زمانے کا بہترین کھلاڑی تھا۔کھیل کی دنیا میں افسانوی حد تک حکومت کرتا رہا ہے۔آگے چلیے۔تو سماجی شعبے میں کینسر ہسپتال اور میانوالی سے متصل یونیورسٹی، بہت بڑے کارنامے ہیں، کام ہیں اور کامیابی کی دلیل ہیں۔مگر یہ پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ عمران خان کو وزیراعظم کے طور پر کام کرنا پڑ رہا ہے، جس میں اسکا ذاتی عملی تجربہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

کھیل اور سماجی شعبوں کے کاموں کی اس شدت سے مخالفت نہیں کی جاتی، جتنی کے سیاست کے میدان میں موجود ہے۔بہترین ٹیم، خاص وقت میں اچھا کھیل کھیلتی ہے۔سامنے والی ٹیم بھی اسکی تعریف کرتی ہے۔ہار جیت کے بعد معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔ہسپتال اور یونیورسٹی بنانے والے نیک کاموں کی سامنے آ کر مخالفت کرنا ناممکن کام ہے۔قطعاً یہ عرض نہیں کر رہا کہ یہ سب کچھ عام سے کام ہیں۔یہ غیر معمولی کارنامے ہیں جنکی بدولت عمران خان کی شخصیت کی بین لاقوامی سطح پر قدر کی جاتی ہے۔مگر اب وہ وزیراعظم ہیں۔انہیں ایک ٹیم، گروہ، ایک انسان یا ایک ادارے سے واسطہ نہیں پڑتا۔لاتعداد عناصر ہیں، جن سے مختلف بلکہ متضاد طریقے سے معاملات طے کرنے ہیں۔اس کام کا کسی قسم کا کوئی مخصوص فارمولا بھی نہیں ہے۔ایک تکلیف دہ سچ اور بھی ہے کہ تیسری دنیا کے ممالک میں سیاست کے میدان میں کسی قسم کا کوئی اخلاقی اُصول نہیں ہے۔اس خوفناک کھیل کا کوئی گراؤنڈ بھی نہیں ہے۔اس میں بھیانک طرح کی منصوبہ بندی ہے، محیرالعقول حد تک پیسے کا عمل دخل ہے اور پھر اکثر نتائج بھی سمجھ سے باہر ہیں۔کہنے کو یہاں، ہر فریق اعلانیہ فرماتا ہے کہ ملک کی بے مثال خدمت کر رہا ہے۔مگر اس نعرے کے پیچھے ذاتی ایجنڈا ہوتا ہے۔وہی ایجنڈا اصل مقصد ہوتا ہے۔نکتہ ہے، اقتدار میں آ کر پیسے کمانا۔یہ تلخ حقیقت ہے کہ جسے کوئی تسلیم نہیں کرتا۔اسکے ثبوت ہر شہر، ہر قصبہ، ہر گاؤں اور ہر گلی میں دیکھے جا سکتے ہیں۔چند کائیاں سیاسی آدمیوں نے تو ملک کی اتنی خدمت کی ہے کہ ملک کے اقتصادی، سماجی، نفسیاتی اور اخلاقی فریم ورک کو ہی تباہ کر دیا ہے۔اگر یقین نہ آئے تو ذرا، چالیس پچاس برس پہلے کی سیاست کے طرزِ عمل کو دیکھیے۔کرپشن نہ ہونے کے برابر تھی۔گزشتہ پینتیس برس میں لوٹ مار کی جدیدیت کے سامنے ہر ذی شعور حیران ہو جاتا ہے۔پچھلے دس برسوں میں پیسہ کمانے کا جو کھیل رچایا گیا ہے، اس سے ملک ہر طریقے سے گروی رکھا جا چکا ہے۔گزارش ہے کہ عمران خان، اب جس میدان میں کھیل رہا ہے، اسکا بھرپور عملی ادراک نہیں رکھتا۔مگر اُمید ہے کہ کام کریگا۔غلطیاں بھی کریگا اور پھر ان سے سیکھنے کی مکمل کوشش بھی کریگا۔

توجہ کا طالب ہوں۔اس وقت عجیب واقعات یہ ہو رہے ہیں کہ نان ایشوز کو بھرپور ایشوز بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔مثال کے طور پر۔کیا یہ پہلی بار ہوا ہے کہ پنجاب کے وزیراعلیٰ نے کسی ڈی پی او کو اپنے دفتر بلا کر کوئی حکم دیا ہو یا اسے تبدیل کر دیا ہو۔یہ وزیراعلیٰ کا قانونی حق ہے کہ کسی بھی افسر کو کہیں بھی تعینات کر سکتا ہے۔ماضی میں وزیراعلیٰ تو دور کی بات۔انکا سرکاری اور نجی عملہ تک آئی جیز اور چیف سیکرٹری کو طلب کر کے، ہر طریقے کے کام کرواتے رہے ہیں۔مگر تعجب اس بات کا ہے کہ پاک پتن کے ایک بالکل معمولی

نوعیت کے انتظامی معاملہ کوقومی معاملے میں تبدیل کر دیا گیا۔ایک ڈی پی او، جومسائل پیدا کرنے کی شہرت رکھتا ہے۔جسکے قصے ہر طرف مشہور ہیں۔اسکے بیانیے پرایک طوفان کھڑا کر دیا گیا۔اس واقعہ کے غبارے میں اتنی پھوک بھرنا انتہائی تعجب کی بات بھی ہے اور فکر کی بھی۔فکر اس وجہ سے کہ میڈیا پر سابقہ حکومت سے منسلک شہرت یافتہ مخصوص لوگوں نے اس واقعہ میں اتنا رنگ بھر ڈالا، کہ لگتا ہے کہ سارے ملکی معاملات ایک طرف اور یہ معاملہ ان سب سے بڑھ کر، دوسری طرف۔خیر اب یہ واقعہ ملک کی سپریم کورٹ میں ہے، لہذا اس پر زیادہ بات کرنا مناسب نہیں۔

دو دن پہلے کی گزارش کرنا چاہتا ہوں۔ایک انتہائی سنجیدہ ریٹائرڈ افسر نے سوشل میڈیا پر اعلان فرمایا کہ عمران خان ایک اُمید بن کر آیا تھا۔عاطف میاں جیسے اقتصادی ماہر کو اپنی ٹیم سے باہر نکالنا ایک زیادتی ہے۔عمران خان سے، اب کسی اُصولی اُمید کی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔ذاتی طور پر سمجھتا ہوں کہ ہمارے ملک کی خدمت کرنے کا حق مسلمانوں اور اقلیتوں کو مکمل طور پر مساوی ہے۔پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کی ضمانت آئین دیتا ہے۔آپ کسی مسیحی یا پارسی بھائی کو اقتصادی ٹیم کا ممبر بنا دیں، تو کوئی اعتراض نہیں کریگا۔مگر قادیانیت کا مسئلہ اَز حد مختلف ہے۔انکے پیروکاروں کے متعلق، عوامی جذبات بے حد پُر جوش اور سیلانی ہیں۔سوشل میڈیا پر کبھی کسی جملے کا جواب نہیں دیتا۔اسلیے کہ یہ ایک لایعنی بحث بن جاتی ہے۔مگر بدقسمتی سے میں نے یہ لکھ ڈالا۔کہ اگر ایک فرد واحد کی وجہ سے پورے ملک کا عمومی جذبہ حکومت کے خلاف ہو جاتا ہے۔پُر تشدد واقعات ظہور پذیر ہونے لگتے ہیں۔اسکی آڑ میں، عمران خان کے سیاسی دشمن، اوچھے وار کرنے شروع کر دیتے ہیں۔جو کاری بھی بن سکتے ہیں۔تو پھر کیا کیا جائے۔عملیت پسندی یہ ہے کہ اس قابل شخص سے شرافت سے معذرت کر لی جائے۔حکومت نے بالکل یہی کیا ہے۔عاطف میاں کو اس ٹیم سے علیحدہ کر ڈالا ہے۔اس جواب کے جواب میں کوئی تین چار سو لفظوں کا ایک اتنا طویل جواب آیا کہ پڑھنا مشکل ہو گیا۔بار بار قائداعظم کا حوالہ موجود تھا۔

اکثر سنجیدہ لوگ فراموش کر دیتے ہیں کہ 1947 میں لوگوں کے مذہبی رویے، آج کے رجہانات سے بالکل مختلف تھے۔پہلی بات تو یہ کہ مذہبی جذباتیت اس درجہ کی نہیں تھی جو آج وقوع پذیر ہے۔اسکے علاوہ ریاست ابھی نوزائیدہ تھی۔قائد کی بھرپور شخصیت کی بدولت اکثر زبانیں احتراماً خاموش رہتی تھیں۔سب سے بڑھ کر 1947 میں مذہبی جماعتیں اور گروہ آج جتنے طاقتور بھی ہرگز ہرگز نہیں تھے۔اس زمانے کے حالات اور آج کے معاملات حد درجہ مختلف ہیں۔سوشل میڈیا کی بحث کا حصہ بنے بغیر عرض ہے کہ کیا عمران خان، ایک شخص کی وجہ سے اپنی حکومت ہی ڈانواڈول کر دیتا۔عمران نے جو کچھ کیا، وہ عملیت پسندی کے مطابق بالکل درست ہے۔بہر حال تنقید کرنا، ہمارے مکمل طور پر سیکولر طبقے کا حق ہے، جس کا اظہار سوشل میڈیا پر اکثر دیکھنے کو ملتا ہے۔

بامقصد تنقید حکومتی فیصلوں پر ہونی چاہیے۔مگر لگتا ہے کہ تنقید کا اصل مقصد مکمل طور پر کچھ اور ہے۔وزیراعلیٰ پنجاب کی تعیناتی کو وزیراعظم کی اہلیہ سے رشتہ داری کے حوالے سے جوڑ دیا گیا۔سب لوگ یہ بھول گئے کہ تونسہ شریف سے بھی آگے، کوہ سفید کے سلسلوں سے آج تک کوئی شخص اس بلند منصب پر فائز نہیں ہو سکا۔کیا اس میں کوئی شک ہے کہ بزدار صاحب، پسماندہ ترین علاقے سے تعلق رکھتے ہیں۔بڑے شہروں میں لوگوں کو اندازہ ہی نہیں کہ لاہور، کراچی، پشاور، فیصل آباد، پنڈی، ساہیوال، ملتان کتنے بہتر شہر ہیں۔ڈی جی خان

دوبار تعینات رہا ہوں۔ڈی جی خان سے گزر کر جب آپ بلوچستان کی طرف جاتے ہو،تو اس قدر ویرانگی ہے کہ انسان کا دل ڈوبنے لگتا ہے۔پسماندگی کوئی لفظ نہیں ہے۔اگر آپ وسطی پنجاب کے کسی بڑے شہر کے رہنے والے ہیں،تو یوں سمجھ لیجئے،کہ کم از کم چار سو سال پرانے زمانے میں آ گئے ہیں۔وہاں کی غربت،سہولتوں کا مکمل فقدان اور بدترین تعلیمی معیار،آپکو پریشان کر دیگا۔اگر وزارتِ اعلیٰ لاہور شہر سے نکل کر،ایک غیر ترقی یافتہ علاقے میں چلی گئی ہے تو یہ تو قابل تحسین کام ہے۔چند استثنات کے علاوہ،پہلی بار ہوا ہے،کہ پنجاب کی قیادت کا جھومر متمول لوگوں سے نکل کر درمیانی طبقے کے شخص کو منتقل ہوئی ہے۔اس تعیناتی پر بھی ہر درجہ تنقید کی گئی۔قتل کے جھوٹے الزامات تک لگانے سے پہلے بھرپور تحقیق نہیں کی گئی۔اصل معاملہ یہ ہے،کہ تخت لاہور کو گمان ہے کہ حکومت صرف اور صرف ہمارا حق ہے۔یہ تونسہ شریف سے کون ظالم،ہماری کرسی پر بیٹھ گیا۔حضور،حکومت کرنا ہر ایک کا حق ہے۔درمیانے درجہ سے تعلق رکھنے والا وزیر اعلیٰ،اتنے بھیانک اقتصادی جرائم نہیں سوچ پائیگا جو تخت لاہور کا خاصہ رہا ہے۔عام انسانوں کی طرح،عام لوگوں کے درمیان میں رہنے والا خاکی ہے۔انسانی سطح پر کام کرنے کی کوشش کریگا۔ابھی تو سیاسی بساط کی شروعات ہیں۔آگے دیکھیے۔معاملات کیسے چلتے ہیں اور کس ڈگر پر چلتے ہیں۔

ہاں ایک اور بات۔بھاشا ڈیم بنانے کے فنڈ کے متعلق انتہائی منفی پروپیگنڈا جاری ہے۔بدقسمتی سے وہ سیاسی رہنما اسکی مخالفت کر رہے ہیں جو ایک دہائی اس ملک کے سیاہ سفید کے مالک رہے ہیں۔مگر آبی ذخائر پر مجرمانہ غفلت برتتے رہے ہیں۔کوئلے اور تیل پر چلنے والے مہنگے ترین کارخانے لگانے میں صرف اسلیے مصروف رہے کہ ان میں" کمیشن"وصول کر سکیں۔سی پیک کو بھی ذاتی تشہیر اور مال کمانے کا ذریعہ بنا دیا گیا۔لازم ہے کہ اگر چیف جسٹس،وزیر اعظم،عسکری ادارے اور عوام اس فنڈ میں پیسہ جمع کروا رہے ہیں تو پرانے دوستوں کو بے حد تکلیف ہو رہی ہے۔پہلی بات تو یہ اگر موجودہ وزیر اعظم اور ریاستی ادارے ڈیم بنانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو اپوزیشن کے تلوں میں تیل نہیں رہتا۔وہ اپنی نااہلی کو منفی پروپیگنڈے سے چھپانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔یقین کامل ہے کہ ایک نہیں،کئی نئے آبی ذخائر بن کر رہینگے۔چندے کی تحریک زور پکڑے گی۔کئی بین الاقوامی ادارے اور ملک پاکستان کے ساتھ کھڑے ہونگے۔جتنی مرضی مخالفت کر لیجئے۔یہ ملک ترقی کی طرف گامزن ہوگا۔آگے نکلے گا۔دنیا کیلئے مثال بنے گا۔بس تھوڑا سا صبر۔طویل رات کے بعد،صبح کی روشنی میں ہر چہرہ اپنے اصل میں نظر آ جائیگا۔بس تھوڑا سا صبر!

راؤ منظر حیات